تزکیہ وتعلیم کا نبوی ﷺ اسلوب: عہدِ حاضر کے تقاضے

حافظ محمد سعید احمد عاطف*
محمد رفیق**

نبی مکرم پر پہلی وحی ''اقرأ'' کے خرد افروز لفظ سے ہوئی۔ یہاں ابتدائی درجے میں علم کی فضیلت اور اوصاف بیان نہیں کئے گئے بلکہ انتہائی درجہ کی مطلوب شے کا امر دیا گیا اور فرمایا کہ ''اقرأ'' اور ساتھ ہی بتلا دیا کہ علم وہی معتبر ہوگا جو معرفت باری سے متصف ہو۔ پھر تخلیق کی طرف متوجہ کر کے انسان کو بتایا گیا کہ خالق سے تعلق کے تقاضے کیا ہونے چاہئیں اور ذریعہ تعلیم قلم کو قرار دے کر بتا دیا کہ فتوحاتِ علیہ کے دور کا آغاز ان نبی امی کی آمد سے ہو رہا ہے۔ اب انسانیت کو جو علم وحی سے ملے گا وہ دفینوں اور محض حافظوں میں ہی نہیں رہے گا بلکہ بذریعہ قلم تا قیامت محفوظ بھی رہے گا کیونکہ جس علم کا انحصار محض حافظہ پر ہو اس کی کامل حفاظت ممکن نہیں۔ وہ آسمانی کتب تحریف کی زد میں آ گئیں جن کا انحصار صرف حافظہ اور زبانی روایات پر تھا۔ سو جو علم، قلم کے ذریعے محفوظ ہو گیا وہ حقیقۃً محفوظ ہے۔

رب تعالیٰ نے قرآن میں پاک میں متعدد مقامات(۱) پر آپ ﷺ کی آمد و فرائض کے حوالے سے تلاوتِ آیات، تزکیہ نفوس اور تعلیم کتاب وحکمت کا ذکر فرما کر بتا دیا کہ ان معلم ﷺ اعظم کا تعلیم و تربیت سے کس قدر تعلق ہوگا۔ آپؐ نے مؤثر و نتیجہ خیز تعلیم دی جس نے انسانوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن کا شاہکار بنا دیا اور اس لیے آپؐ نے اپنا منصب ہی ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا''(۲) کہہ کر متعین فرما دیا اور یہ حقیقت ہے کہ تزکیہ و تربیت کے حوالے سے آپ جیسا مربی ومزکی بھی اس چرخ نیلی فام نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے تعلیم اور تربیت دونوں کو نبھایا اور کمال درجہ پر نبھایا اور اپنے نتائج تعلیم سے ایسے لاکھوں افراد تیار کیے کہ جن کے کردار وعمل کی گواہی ایک دنیا نے دی۔ آگے بڑھنے سے قبل تعلیم وتربیت کے مروج اور عمومی مفاہیم پر پہلے ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایم اے او کالج لاہور، پاکستان
** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ لاہور، پاکستان

تعلیم کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

(i) عَلَّم یُعَلِّم تَعْلِیْمًا سے مصدر ہے جس کے معانی ہیں انسان کو سکھانا، مہذب بنانا، اطوارِ شائستہ کا پابند بنانا۔(۳)

(ii) تعلیم فطری تقاضوں کے مطابق نمو کا نام ہے۔(۴)

(iii) اپنی معلومات کو متعلم تک منتقل کرنا تعلیم ہے۔(۵)

(iv) تعلیم معلومات کے ساتھ ساتھ اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا نام بھی ہے۔(۶)

(v) تعلیم سے مراد ہے: (الف) معلومات دینا، (ب) مہارت پیدا کرنا، (ج) سیرت و کردار کی تشکیل کرنا۔(۷)

(vi) ارسطو کے نزدیک بچے کی یادداشت' عادات اور خیالات کے ساتھ ساتھ اس کی عقلی اور اخلاقی نشو و نما کا نام تعلیم ہے(۸)

(vii) ایک اور معروف تعلیمی مفکر جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے فرد اور معاشرے کی تعمیر نو، تنظیم نو اور تشکیل نو کی جاسکتی ہو(۹)

خلاصہ یہ کہ تعلیم کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنا، عملی نمونہ بننا، قول و عمل میں مطابقت پیدا کرنا، اعلیٰ کردار کی نشو و نما کرنا اور اخلاقی اصولوں کی پاسداری کرنا، یہ سب تعلیم کے حصے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کا ظاہری تعلق علم سے ہے اور تربیت کا عمل ہے۔ اس ضمن میں امام قرطبی ایک لطیف استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی چیز علم سے اعلیٰ اور برتر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا کہ وہ اس میں سے مزید طلب کریں جیسا کہ مزید علم طلب کرنے کا حکم دیا گیا۔(۱۰)

تربیت کا مفہوم:

تربیت رَبَ، یرب رَبًّا سے مصدر ہے۔ کسی کو درجہ بدرجہ ترقی دینا، نشو و نما کرنا، اس کی جملہ ضروریات فراہم کرنا اور اس کے نشو و ارتقاء کے لیے مطلوب ماحول مہیا کرنا۔

تربیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ آداب زندگی سکھانا، اعلیٰ انداز سے پرورش کرنا، حسن اخلاق سے آراستہ کرنا اور اسلامی تناظر میں تربیت کا مفہوم ہوگا کہ اپنی ذات کو رذائل سے پاک کرنا اور اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کرنا اور اپنی شخصیت کا اس طرح سے تزکیہ کرنا کہ وہ اسوۂ رسول کی روشنی میں رضائے الٰہی کے حصول کی منزل تک پہنچ سکے اور اس کی شخصیت میں وہ جملہ اوصاف پیدا ہوں کہ جو شریعت کی نظر میں محمود ہیں۔

جب کہ اس کے بالمقابل مغرب کے ہاں نفع اندوزی پر مبنی اخلاق ہی سکھائے جاتے ہیں۔ وہاں جو افراد ایسی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں تیار ہوتے ہیں وہ عموماً یک پہلو اور اخلاقی اعتبار سے کھوکھلے ہوتے ہیں علامہ یوسف

القرضاوی مغربی نظام تعلیم پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

مغربی اصطلاح میں علم سے مراد دنیوی علوم ہی لیے جاتے ہیں لیکن یہ علم کا ایک محدود تصور ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات میں دینی و دنیوی تمام علوم پر علم کا اطلاق ہوتا ہے مغرب جہاں علم کو دنیوی کامیابی کا ذریعہ اور زینہ سمجھتا ہے، اسلام اسے آخرت میں سرخروئی اور دنیا میں کامیابی دونوں کا ذریعہ قرار دیتا ہے وہ دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں نہیں تقسیم کرتا۔ اس لیے قدیم و جدید اور دینی و دنیوی علوم کی تفریق غلط بنیاد پر قائم ہے۔ البتہ آخرت کی سرخروئی اور دنیا میں سربلندی کے لحاظ سے جو علم جتنا ضروری ہے اسی کے بقدر اس کی اہمیت سمجھی جانی چاہیے۔(۱۱)

تعلیم وتربیت کی جامعیت:

حقیقت یہ ہے کہ خالص جذبہ علم کی طلب کے حامل اشخاص کی مؤثر و ہمہ پہلو تعلیم وتربیت انسانِ کامل ہی کامل طریق پر کرسکتا ہے۔ اب کوئی شخص نہ تو انسانِ کامل ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ ہی اپنے طریق زندگی کو اُسوۂ حسنہ قرار دے سکتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے متعلق فرما دیا: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى گویا آپ کی بیان کردہ ہر بات اور آپ کے جملے، فرمودات نسیان سے خالی ہیں۔ کسی معلم کو وجہ ارض پر یہ رتبہ نہیں ملا کہ اس کی ہر بات کامل و اکمل بھی ہو اور ہر نسیان و ذھول سے پاک بھی۔ آپ ﷺ کے اقوال، افعال، رمز، کنایہ، گفتگو، تاثر، مزاج، ذوق سب کے سب عطیہ الٰہی ہیں اور یہ معلم اعظم ﷺ صبغۃ اللہ کا نمونہ کامل ہیں اور ساتھ ہی آپ کو نبی امی کہہ کر زمانے کو آگاہ کر دیا کہ آپ سوائے اللہ کے اور کسی کے علم کے محتاج نہیں۔ اس لئے آپ کی ہر بات اور ہر عمل میں توفیق الٰہی شامل ہے۔

حیاتِ طیبہ کے کسی ایک لمحے پر کسی ایک گوشے پر کسی ناقد کو بھی کوئی تضاد نظر نہیں آیا اور نہ آپ کی دی ہوئی تعلیم وتربیت میں کوئی نقص نکال سکا۔ آپ کے قول وفعل میں کمال درجے کی ہم آہنگی وتوافق ہے جو آپ کی ذات کا امتیاز ہے۔ آپ کی دی ہوئی تعلیم وتربیت ہمہ پہلو اور اکمل ہے۔ آپ کا برپا کردہ تعلیمی جہاد بھی شاندار، جامع اور حیا افروز ہیں۔

آپ کے انداز تعلیم وتربیت کے چند نمایاں خصائص یہ ہیں:

(الف) تعلیم

(ب) تدریس

(ج) تربیت

(د) تأدیب

(ہ) تدریب

(و) تلقین

(ز) تسہیل

(ح) امر بالمعروف

سب شامل ہیں۔ (۱۲) اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے متعلق آپ نے جامع رہنمائی نہ فرما دی ہو اور انسانیت کے لیے عملی صورت اپنے اسوہ مبارک سے عملی صورت نہ متعین کردی ہو۔اپنی حیات طیبہ میں آپ نے ان مذکورہ بالا اسالیب تعلیم و تربیت کو کمال حکمت سے استعمال کیا اور اس کے نتائج بھی صحابہ کرام کے اعمال و کردار کی صورت میں حاصل کیے۔

قرآن قبل از بعثت کی زندگی کا نقشہ یوں کھینچتا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (۱۳) اور اپنے خالق سے دور شرک وظلمت میں گھری ہوئی دنیا کو آپ نے کس پرحکمت طریقے سے بدلا' ان کا مزاج بدلا' سوچ بدلی' پسند و ناپسند کا معیار بدلا حتیٰ کہ دشمنی و دوستی کے معنیٰ تک بدل ڈالے اور ''الحب فی اللہ و البغض فی اللہ'' کا انہیں نمونہ بنا دیا' اس لیے قرآن مجید اس فساد کے بعد کشت انسانی پر اللہ کے نبی کی تعلیم، تربیت، تزکیہ، حکمت، تلاوتِ آیات، غمخواری اور غم سوزی کے نتائج بیان کرتا ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۱۴) ذرا دیکھیے کہ انسانوں کو اس فساد فی الارض کے ماحول سے اٹھا کر مقامِ رضا و رضوان تک پہنچا دینا، کتنے کڑے مراحل تعلیم و تربیت کے بعد ممکن ہوا۔ اس آیت میں ظاہراً تو صحابہ کرام کی تعریف ہے لیکن حقیقت میں معلم اعظم و مربی بے نظیر کے نتائج تعلیم و تربیت کی توصیف ہے۔

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیم کی اہمیت اور وسعت:

معلم اعظم کی زندگی میں ہمیں تعلیم و تربیت (تزکیہ) پہلو بہ پہلو دکھائی دیتے ہیں۔ اگر تعلیم کا عملی پہلو تزکیہ و تربیت ہے تو تربیت کی بنیاد تعلیم صحیح ہے جس میں عقائد وعبادات سے لے کر زندگانی کے جملہ امور، تک شامل ہیں۔کبھی تعلیم میں تزکیہ اور کبھی تزکیہ میں تعلیم کا عکس دکھائی دیتا ہے۔آپ نے ایسے متعدد تعلیمی اقدامات فرمائے

جس سے ہر ہر طبقے میں تعلیم کی اہمیت اجاگر ہوئی اور ان کا قرآن سے تعلق بڑھا اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ہی آپ نے تربیت وکردار سازی کے کام کو بھی جاری رکھا اور اس کے نتیجے میں جو تعلیمی وتربیتی ہم آہنگی سامنے آئی اس سے سارے معاشرے میں ''خیر'' پھیلتی چلی گئی۔

آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں مختلف جہات میں تعلیمی سرگرمیاں نظر آتی ہیں۔ کہیں مکارمِ اخلاق کی سبقاً سبقاً تعلیم ہے تو کہیں رذائل اخلاق کو دور کرنے کی حکیمانہ کاوشیں ہیں اور کہیں غیر نافع علم سے آپ پناہ کی تعلیم دیتے ہوئے یہ دعا سکھلا رہے ہیں ''اللھم انی اعوذ بك من علم لا ینفع'' (۱۵) ایسا علم جو دین یا دنیا کے فوائد سے خالی ہو یہ زندگی کو بے مقصد بنا دیتا ہے اور انسان سے ترجیحات حیات کا شعور چھین لیتا ہے۔

آپؐ کا معمول مبارک یہ تھا کہ دوسروں کی تفہیم اور تسہیل کے لیے بالعموم آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر لفظ ادا فرماتے ہیں تاکہ ہر عامی تک اس کو اپنے ذہن میں اتار لے اور کبھی اس کا اعادہ بھی فرماتے (۱۶) اور تعلیم وتربیت کا کمال یہ ہے کہ اعادہ کے وقت (مخاطب و حالات کے تناظر میں) اپنا اسلوب بیان بھی بسا اوقات تبدیل فرما دیتے۔ (۱۷) اس حکمت تعلیم وتربیت کے سبب آپ کی بات ہر سامع کے دل میں اتر جاتی اور وہ آمادۂ عمل ہو جاتا اور اس تعلیم وتربیت کی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی قدم قدم پر رہنمائی بھی کی جاتی رہی۔ ارشاد ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۱۸) اس علم کو جب خود خالق کائنات ہی فضل عظیم قرار دے تو اس سے آپ کے مقام رفیع کو سمجھا جا سکتا ہے۔

آپ کے جامع ارشادات سے بھی علم کی اہمیت گوناگوں انداز سے سامنے آتی ہے۔ (۱۹)

چار فرائض نبوی ﷺ:

(الف) تلاوت آیات

(ب) تزکیہ

(ج) تعلیم کتاب

(د) تعلیم حکمت

یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب و انداز بتلاتا ہے کہ آپ کی اصل حیثیت امت کو ایسی تعلیم وتربیت دینے کی ہے جو انہیں دین و دنیا میں کامیاب کر دے اور یہ فرائض چہارگانہ بھی اصلاً تعلیم وتربیت ہی کے پہلو ہیں۔ اس پر ایک مفسر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

تعلیم یہ ہے کہ نہایت شفقت وتوجہ کے ساتھ ہر استعداد کے لوگوں کیلئے اس بات کی وضاحت کی

جائے۔ اس کے اجمالات کی تشریح کی جائے اور اس کے مقدرات کھولے جائیں اور اس کے مضمرات بیان کئے جائیں اور اس توضیح بیان کے بعد بھی اگر لوگوں کے ذہن میں سوالات پیدا ہوں تو ان کے سوالوں کے جوابات دیئے جائیں۔ مزید برآں لوگوں کی ذہنی تربیت کیلئے خود ان کے سامنے سوالات رکھے جائیں اور ان کے جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ لوگوں کے اندر فکر و تدبر کی صلاحیت اور کتابِ الٰہی پر غور کرنے کی استعداد پوری طرح پیدا ہو جائے۔ یہ ساری باتیں تعلیم کے ضروری اجزاء میں سے ہیں اور ہر شخص جس نے آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کیلئے تعلیم کتاب کے یہ تمام طریقے اختیار فرمائے۔(۲۰)

یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مختلف پہلوؤں سے تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ان کی استعداد اور نفسیات کا لحاظ رکھا۔ ان کے سماج اور رسوم کو بھی پیش نظر رکھ کر تعلیم دی۔ معاشرے میں جو پہلو بھی تعلیم کیلئے مناسب ہوا، آپ ﷺ نے اسے اختیار فرمایا اور اپنے شب و روز کو اس فریضہ تعلیم کیلئے وقف کر دیا۔ اور صحابہ کرام کی تربیت اس انداز سے کی کہ پیغام نبوت کے یہ حاملین اخلاق و سیرت میں ساری دنیا سے منفرد اور ممتاز ٹھہرے۔

مولانا اطہر مبارک پوری تو آپ ﷺ کو متحرک درسگاہ قرار دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت ہی بحیثیت معلم کے ہوئی ہے۔ اندر، باہر، سفر، حضر، رات، دن، ہر حال اور ہر مقام میں آپ کی ذاتِ مقدس ایک ''متحرک درس گاہ'' تھی اور مختلف حالات و واقعات میں ایک لاکھ سے زائد تلامیذ واصحاب نے آپ ﷺ سے تعلیم پائی۔(۲۱) تربیت و تعلیم کی اس قدر وسعت اور صحابہ کرام کے کردار کی عظمت و پختگی کی مثال آسمان تلے اور کوئی نہیں۔

تربیت (تزکیہ) کی اہمیت:

آپ ﷺ صفاتِ الٰہیہ کا پرتو کامل ہیں۔ آپ کی تربیت بھی جامع و ہمہ پہلو تھی۔ یہ خاص بھی تھی اور عام بھی تھی۔ یہاں شفقتوں اور محبتوں کا ایک سمندر موجزن رہتا تھا جس سے تربیت کے پیاسے حسب ہمت اور حسب صلاحیت اپنی تشنگی دور کرتے تھے اور یہاں پر جاہلانہ رویوں کو بڑی حکمت کے ساتھ مصلحانہ انداز میں بدل دیا جاتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں...... ایک شخص نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ اس کی طرف دوڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، مشکل پسند نہیں اور اس پر پانی کا ایک ڈول ڈال دو۔''(۲۲)

کیا خوب انداز ہے، اس میں تعلیم بھی ہے اور مشفقانہ تربیت بھی۔ نہ کوئی طنز نہ طعنہ، بس محبت کے ساتھ

اصلاح۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کی حیثیت امت کے والد کی سی تھی جو اپنے بچوں کو ہر بات محبت سے سمجھاتا ہے، اپنے قریب کرتا ہے، سیرت و کردار کو خوب تر بناتا ہے اور آقا کریم ﷺ میں تو یہ صفت کامل درجہ پر تھی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں تمہارے لئے والد کی مانند ہوں، سوتم جب رفع حاجت کیلئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پشت۔'' (۲۳) یہ حکیمانہ انداز تربیت ہے۔ پہلے اپنا مقام سمجھایا، پھر ادب سکھلایا۔ یہ انداز، تربیت کی معراج ہے۔ معلوم ہوا کہ تربیت و تزکیہ کو نفوس انسانیہ کی اصلاح میں بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ تزکیہ جتنا کامل ہوگا شخصیت کے کمالات اتنے ہی نمایاں ہوتے چلے جائیں گے۔ تربیت و تزکیہ وہ بیج ہے جس کی شاخیں معاشرے میں پھیل جاتی ہیں اور اس کے ثمرات سے تمام سوسائٹی مستفید ہوتی ہے۔

اس تزکیہ وتربیت کی ایک توضیح یوں بھی کی گئی ہے:

''لفظ تزکیہ دو مفہوموں پر مشتمل ہے۔ ایک پاک و صاف کرنے پر، نشوونما دینے پر، ہمارے نزدیک یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ جو چیز مخالف و مزاحم زوائد و مفاسد سے پاک ہوگی وہ لازماً اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان بھی چڑھے گی۔ انبیاء علیہم السلام نفوسِ انسانی کا جو تزکیہ کرتے ہیں اس میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال و اخلاق کو غلط چیزوں سے پاک صاف بھی کرتے ہیں اور ان کے اعمال و اخلاق کو نشوونما دے کر ان میں مفاسد اور مخالف و مزاحم چیزوں کے بالمقابل استقلال کے ساتھ سینہ سپر رہنے اور استقامت دکھانے کی قوت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کتاب کے مقابلہ میں نفوس کا تزکیہ کہیں زیادہ دیدہ ریزی، مشقت اور صبر و ریاض کا طالب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا ذکر تمام دین و شریعت کے غایت و مقصد کی حیثیت سے ہوا ہے''۔ (۲۴)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس مبحث میں کمال اختصار سے دریا کو یوں کوزے میں بند کرتے ہیں:

''یعنی علماً اور عملاً تمہیں کامل کرے۔'' (۲۵)

تفسیر ماجدی میں ہے:

وہ حکمت و دانائی کے سبق، روحانیت کے اصول و مسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ یعنی انہیں اپنے سامعین کے رگ و ریشے میں اتارتا رہتا ہے۔ (۲٦)

خلاصہ یہ کہ تزکیہ وتربیت کہنے کوتو محض دولفظ ہیں لیکن یہ زندگی کے متعدد پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس میں فکر کی اصلاح بھی شامل ہے اورحسن اخلاق کا معیار بھی۔تربیت اگرایک طرف کردار کی بلندی کا تقاضا کرتی ہےتو وہیں درستگیٔ معاملات کوبھی یکساں وزن دیتی ہے۔غرضیکہ اس حیاتِ مستعار کا کوئی بھی اچھا پہلو ہواس کی بنیاد ہی حسن تربیت ہے۔

عہدنبویؐ کے مراکزتعلیم وتربیت:

یہ وہ مراکز فیوض وبرکات ہیں جہاں انسانیت کے مفیدترین افراد تیار کئے جاتے تھے۔جس قدرقرآن نازل ہوتا صحابہ کرامؓ نبوی رہنمائی میں اس کا باہم مذاکرہ کرتے،عقائد میں پختگی پیدا کی جاتی، مکارم اخلاق سے شخصیت کوسنوارا جاتا۔ ویسے تو معلم اعظم ﷺ خودایک متحرک درس گاہ تھے، جدھر جاتے وہیں تزکیہ وتعلیم کا ماحول بن جاتا۔آپ کی ہرادا،تکلم،عبادت، معاملہ، اکل وشرب،سونا، جاگنا، ہر ہرارشاد: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (۲۷) کا آئینہ دارتھا۔تاہم چند درس گاہیں بھی تھیں جہاں تعلیم وتربیت کے حامل افراد تیار کئے جاتے تھے۔

درس گاہ مسجد ابوبکر۔ (۲۸) خواتین کی درس گاہ (بیت فاطمہ بنت خطاب)۔ ان مراکز کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں کی تفصیلات ہمیں کتب سیرت وتاریخ سے ملتی ہیں ۔(۲۹)

الف۔دارِارقم کا تعلیمی وتربیتی مرکز:

یہ تعلیم وتربیت کی مرکزی درسگاہ تھی۔"السّٰبقون الاوّلون" نے یہیں سے درس توحید لیا اورایمان سیکھا۔ کوہِ صفاکے اوپراس مکان سے نورِنبوت کی تعلیمی وتربیتی ضیاپاشیاں چہار جانب کومنور کئے ہوئے تھیں۔ہجرت تک یہ مکان تعلیمی مرکزیت کا حامل رہا۔ یہاں پرقرآن کی تعلیم وتعلم کا عمل برابر جاری تھا۔یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ بھی ادا ہوتا رہا۔ بیسیوں صحابہ کو یہاں دولت ایمان میسرآئی۔ابتداً تزکیہ وتعلیم کے حامل افراد یہیں تیار کئے جاتے تھے۔معلم اعظم ان کی کئی جہات سے تربیت فرماتے تھے۔يجتمع هو واصحابة عند الأرقم بن ابى الأرقم ويقرأهم القرآن ويعلمهم فيه (۳۰)

ب۔مدنی مراکزتعلیم وتربیت:

مدینہ منورہ کورسول کریم ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کا شرف حاصل ہوا تو یہاں تعلیم وتعلم کومرکزی حیثیت مل گئی۔ پھر مدینہ تعلیم وتربیت کی بدولت ہی فتح ہوا۔آپ فرماتے ہیں: فان المدينة فتحت بالقرآن (۳۱) آپ کے بھیجے ہوئے معلمین ومربین بالخصوص حضرت مصعب بن عمیرؓ نے تعلیم قرآنی کوگھر گھر پہنچا دیا تھا اورتربیت کا

اجتماعی ماحول قائم کر دیا تھا۔ نتیجتاً تزکیہ وتعلیم کا عمل اجتماعی بن گیا اور اس امر کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ انفرادی پہلو کے ساتھ ساتھ تزکیہ وتعلیم کے کچھ اجتماعی مراکز بھی قائم کیے جائیں تاکہ افراد سازی اور سیرت وکردار کی تشکیل بڑے پیمانے پر ہو اور اس کے ثمرات' معاشرہ حاصل کر سکے۔

ج۔ درسگاہ مسجد بنی زریق:

اب ہم کچھ اہم درسگاہوں کا ذکر کرتے ہیں۔ درسگاہ مسجد بنی زریق تھی۔ ﴿اول مسجد قرئ فیہ القرآن بالمدینۃ مسجد بنی زریق﴾ یہاں کے ایک اہم استاد ومربی حضرت رافع تھے۔ آپ کی تعلیمی وتربیتی صلاحیت اور جودتِ فکر کو دیکھ کر معلم اعظمؐ بے حد مسرور ہوتے تھے۔ ایک اور قاری قرآن حضرت سالمؓ کو آپ ﷺ نے قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں سالم جیسا قرآن کا قاری و عالم پیدا کیا ہے۔'' (۳۲) آپ کی خوردنوازی کا یہ انداز تھا کہ جو حوصلوں اور جذبوں کو مہمیز دیتا رہتا تھا۔

د۔ مسجد قبا کا مرکز تعلیم:

مدینہ سے متصل ہی قبا کی بستی تھی جہاں مہاجرین صحابہ بھی اکٹھے ہوگئے۔ ان کو حضرت سالم (مولیٰ ابوحذیفہ) قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (۳۳) متعدد صحابہ نے بیان کیا ہے کہ ہم سب لوگ مسجد قبا میں علم دین پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس دورانیہ تعلیم میں نبی اکرم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم جو چاہو پڑھو جب تک عمل نہیں کرو گے اللہ تعالیٰ اجر وثواب عطا نہیں فرمائیں گے۔ قبیلہ بنی اوس کے حضرت سعد بن خیثمہ کا مکان خالی تھا جہاں مہاجرین صحابہ پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس لئے اسے ''بیت العزاب'' کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ گاہے بگاہے وہاں تشریف لے جاتے اور مہاجرین صحابہ کی دلجوئی فرماتے تھے۔ (۳۴) یعنی معلم اعظم اپنی زیرنگرانی ان درسگاہوں کا معائنہ فرماتے تھے۔ اہم ہدایات دیتے اور غریب الدیار طلباء (صحابہ) کی حوصلہ افزائی کرتے، ان کی تحسین کرتے۔ یہ بھی تعلیم وتربیت کا ایک لطیف انداز تھا۔

ہ۔ تعلیم گاہ نقیع الخضمات:

یہ مرکز تعلیم وتربیت مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک شاداب علاقے میں واقع تھا، یہاں حضرت سعد بن زرارہ کا مکان اسی تعلیم وتربیت کیلئے ہمہ وقت وقف تھا۔ بخاری میں ہے: اول من قدم علینا مصعب بن عمیر و ابن مکتوم و کانوا یقرؤن الناس...... مکانا یقرآن الناس القرآن یعنی اس تعلیم گاہ میں بھی معلم اعظم کے نقیبان علم کی بدولت سیکھنے سکھانے کا عمل جاری تھا۔ حضرت مصعب کو آپ نے حکم دیا: وامرہ ان یقرء ھم القرآن ویعلمھم الاسلام وبفضحھم فی الدین (۳۵)

د۔ مسجد نبوی کا مرکز تعلیم و تربیت:

یہ معلم اعظمؐ کی علمی و عملی ضیاپاشیوں کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ یہاں کئی امور نمٹائے جاتے تھے۔ یہاں مرکزی شوریٰ بھی ہوتی تھی۔ اسی مقدس جگہ سے جہاد کے قافلے بھی روانہ کئے جاتے تھے۔ یہاں سے سفراء اسلام کو اسناد تقرری بھی جاری کی جاتیں، یہاں وفود کا استقبال بھی کیا جاتا۔ یہی عدالت و دارالقضا بھی تھی۔

ان ہمہ جہت خصوصیات کے ساتھ نمایاں تر وصف اس کا مرکز تعلیم و تربیت ہونا تھا۔ دیگر امور ہر وقت درپیش نہ ہوتے تھے۔ اس لئے خود معلم ﷺ انسانیت کی اصل کاوش تربیت رہی۔ آپ بنفس نفیس بھی یہ کام سرانجام دیتے تھے اور صفہ کا چبوترہ تو طلاب دین کا ملجا و مرکز تھا جہاں نور نبوت کی کرنوں سے فیض یاب ہونے کیلئے صحابہ کرام و اصحاب صفہ کا ہجوم ہوتا جو آپ کی ہر ہر ادا، ہر ہر لفظ، آپ کی تربیت کے ہر ہر پہلو اور تعلیم کے ہر ہر گوشے کو اپنا مطمع نظر و مقصد زندگی بنائے بیٹھے تھے۔ ان اصحاب صفہ کی نگاہیں ہمہ وقت مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہوتیں یا مستفید ہونے کے لذت آفریں لمحوں کی منتظر رہتیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر ادا کرتے تو ہم آپ کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی قرآن کے بارے میں سوال کرتا، کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کیا کرتا تھا۔ گویا علم و عمل کی ایک روشن بستی آباد ہو جاتی، ہر کوئی آپؐ کے سامنے دینی مسائل و معاملات بیان کرتا اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق، ذات مصطفویؐ سے اخذ فیض کرتا اس طرح ان کے، تزکیہ کا فرض بھی ادا ہو جاتا اور تعلیمی مراحل بھی طے کروا دیے جاتے۔

رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ نماز فجر کے بعد ستون ابولبابہ کے پاس جلوہ افروز ہوتے تھے۔ آپ کے گرد متلاشیان دین و حکمت کا حلقہ بن جاتا جن میں اصحاب صفہ، ضعفاء و مساکین، مؤلفۃ القلوب اور باہر سے آنے والے افراد اکٹھے ہو جاتے۔ آپ ان کو مختلف پہلوؤں سے دین کی تعلیم دیتے تھے اور ساتھ ساتھ ان کی دلجوئی و دلداری فرماتے تھے۔ ان اصحابِ صفہ کی بے سروسامانی کے باوجود ان کے طلب علم کے شوق اور حصول تربیت کے ذوق کے سبب مزکی اعظم ان پر خصوصی شفقت و کرم فرماتے تھے۔ یہ صفہ دن کے وقت تعلیم گاہ کا کام دیتا تھا اور رات کو ان طلباء کے سونے کی جگہ بھی یہی رہتی۔ (۳۶) گویا یہ دنیا کی پہلی باقاعدہ اقامتی جامعہ (residential University) تھی جو آپ کے مبارک ہاتھوں سے وجود میں آئی۔

اس اقامتی جامعہ سے عمومی استفادہ کرنے والوں کی تعداد تو ہزار سے اوپر تک ہے۔ باقاعدہ استفادہ کرنے والے اصحاب چار سو تک تھے۔ بیرونی طلبا کے وفود کی آمد پر ان میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ وفد بجیلہ میں ۱۵۰، وفد نخیع میں ۲۰۰ اور وفد مزینہ میں چار صد افراد تھے اور ان کی آمد دین سیکھنے کیلئے تھی۔ ابوقتادہؓ کے بقول ان کی تعداد نو

صد تک پہنچتی ہے۔(۳۷) تعلیم نبوت سے فیض یاب ہونے والے تو تمام صحابہ ہی تھے، گھر کے اندر بھی امہات المؤمنین اس سرچشمۂ نبوت سے اپنی تعلیم وتربیت کی تشنگی دور کیا کرتی تھیں۔ پھر خواتین کیلئے آپ نے تعلیم وتربیت کے دن متعین فرمائے ہوئے تھے۔(۳۸)

غرضیکہ مسجد نبوی میں ہمہ وقت تعلیم وتربیت کا بابرکت کام جاری رہتا تھا۔کبھی اصحاب صفہ کبھی عام صحابہ کرام، کبھی عشرہ مبشرہ اور کبھی نومسلم حضرات تو کبھی اہل وفود مستفید ہوتے تھے۔ مسجد نبوی سے کاشانہ نبوت تک کا ہر لمحہ تعلیم وتربیت کیلئے وقف تھا۔ اور ہر ایک نے اس سے بقدر ظرف استفادہ کیا اور لسان نبوت کی ہر ادا اور ہر ہر انداز کو صحابہ نے امت کیلئے محفوظ کر دیا اور ہر لفظ کی موتیوں سے بڑھ کر قدردانی کی اور کیوں نہ کرتے۔

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر

مسجد نبوی کے علاوہ سواد مدینہ میں کئی مساجد مرکز تعلیم وتربیت بنا دی گئی تھیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

> مختلف حوالوں سے ایسی نو مساجد کی تصدیق ہوتی ہے جنہیں تعلیمی مقاصد کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔(۳۹)

آپ کے عہد مبارک میں ہی مدینہ واکناف مدینہ میں تعلیم وتربیت کے متعدد مراکز بنا دیے گئے تھے جن میں ہمہ وقت تعلیم وتزکیہ کا مبارک کام جاری رہتا تھا۔ ڈاکٹر احمد شلبی لکھتے ہیں کہ تب وہاں دو قسم کے مکاتب تھے:(الف) قرآن کی تعلیم (مذہبی امور)۔(ب) عام پڑھنا لکھنا (خواندگی)۔(۴۰)

گویا معلم اعظم نے مومنین کے لیے تعلیم قرآن کا نصاب متعین کیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی غیر مسلموں کو بھی محروم نہیں کیا ان کے لیے عام خواندگی کا دروازہ کھول دیا تا کہ یہ ابتدائی خواندگی ان کے لیے ہدایت الٰہی کا ذریعہ بن سکے۔ تعلیم وتزکیہ کے ان پر رونق مراکز کے سبب صحابہ کرام میں عقائد ایمانیہ وعبادات کے ساتھ ساتھ تعلیم دین، اصلاح نفس، تزکیہ قلوب مکارم اخلاق و پاکیزگی معاملات کے اوصاف پیدا ہوتے چلے گئے اور یوں تعلیم و تربیت (تزکیہ) میں ہم آہنگی کے سبب پورے عرب میں ایک اخلاقی وتعلیمی انقلاب برپا ہو گیا جس کے پیچھے معلم اعظمؐ ومربیؐ کی جلوتوں میں کی گئی، بے نظیر کاوشیں وکوششیں، حکمتیں اور خلوتوں میں اپنے رب کے سامنے کی گئی مناجات وتبتل اور آہ وزاریاں، سب شامل تھیں۔

اسوہ نبویؐ اور عہد حاضر میں تعلیم وتربیت کے تقاضے:

آج کا دور تیز ترین ابلاغ (fast communication) کا دور ہے۔ اس میں معلومات کی کثرت ہے۔ ایک پل میں خبر دنیا بھر کا چکر لگا لیتی ہے۔ اس ساری ترقی، تیزی کے باوجود حقیقتاً معاملہ یہ ہے کہ حرکت تیز

تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج انسانیت مقصدِ زندگی، شعورِ حیات اور نصب العین سے محروم ہے۔ فرج وبطن کی غلامی میں مبتلا ہے، خواہشات کی زنجیروں میں نام نہاد ''آزادی'' جکڑی ہوئی ہے۔ انسان کے اندر کی درندگی اور وحشت ہے کہ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ جدید ذرائع کی بدولت اب اس کی خون آشامی کی حدود اور اذیت رسانی وقتل و غارت گری کی اہلیت لاکھوں نہیں کروڑوں گنا بڑھ چکی ہے۔ ایک طرف ترقی کی دوڑ میں انسان تسخیرِ قمر کر چکا اور اب مریخ پر کمند پھینک رہا ہے تو دوسری جانب اس کی اخلاقی پستی، فکری پسماندگی بھی زوال کے تحت الثریٰ کو چھو رہی ہیں۔ وہ جیتے جاگتے شہروں کو منٹوں میں اجاڑ دیتا ہے۔ ایٹم بم اور (Daisy Cutter) کی ہلاکت خیزی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ انسانوں پر میزائلوں کے تجربے کئے جاتے ہیں، لاکھوں بچوں کو دواؤں سے محروم کر کے مرنے کیلئے سسکتا، تڑپتا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سرمایہ اندوزی کی ہوس نے اس سے اخلاقی قدریں چھین لی ہیں، سود کی بنیاد پر استحصالی سوچ انسان کا مزاج بن چکی ہے۔

اگر اک نگاہِ بازگشت اپنے گرد و پیش اور وطن عزیز پر ڈالیں تو یہاں بھی اخلاقی صورتِ حال کچھ ضمنی خوبیوں کے ساتھ مجموعی طور پر زوال کی طرف جارہی ہے۔ انسانی اقدار کمزور تر ہوتی جارہی ہیں، محبت، ہمدردی، وفاء قربانی، ایثار ایسے رویے سمٹتے چلے جارہے ہیں۔ الحمدللہ بہت سے اعمال حسنہ اور شعور و آگہی کے شاداب جزیرے تو ہیں پر ان کے چہار جانب ہوس و درندگی، سرمایہ دوزی و استحصال، ظلم اور وحشت کے سمندر بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

اس تناظر اور درپیش صورت احوال میں اسوۂ رحمۃ للعالمین ہی ایک ایسا نسخہ کیمیا ہے جو عمومی طور پر پوری انسانیت کیلئے پیغام نجات اور خصوصی طور پر عالم اسلام و اہل پاکستان کیلئے وسیلہ کامیابی و ذریعہ فلاح دارین ہے۔ پھر کسی بھی نسل کی تعمیر وتخریب کا انحصار اس کے نظام تعلیم و تربیت پر ہے۔ اگر یہ نظام مؤثر و نتیجہ خیز ہے تو نژادِ نو کی اٹھان اور ترقی بھی اس قدر ہوگی۔ اور اگر اس نسل کی صحیح سمت رہنمائی نہ کی گئی تو پھر زوال و ادبار کو نہ روکا جاسکے گا۔ آج کے عہد میں اسوۂ پیمبر سے رہنمائی لینا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ تاکہ علم وعمل میں مطابقت پیدا ہو اور تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی کی بدولت ہر شعبہ حیات کو درست کیا جاسکے۔ خامیوں پر قابو پایا جانا ممکن ہو سکے۔

معلم اعظمؐ نے جس طرح سے تعلیم و تربیت سے نتائج حاصل کر کے ایمان وعمل میں صحابہ کرام کو معیار بنا دیا۔ فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا(۴۱) آج بھی اسی نقش تاباں کی پیروی کی ضرورت ہے تاکہ اس سے مماثل نتائج ہمارے اس عہد میں بھی حاصل ہوسکیں اور پورا معاشرہ ''تعلیم و تربیت'' میں نبوی نتائج کی بدولت صالح و انفع بن کر کامیاب ہو سکے۔

نبی کے نتائج تعلیم وتربیت کی ایک مثال:

آپؑ نے اپنے ساتھیں کی تربیت اس انداز سے کی کہ ان کے سامنے اپنی ذات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ قربانی وایثار آپ کا مزاج تھا۔ اور پھر یہی چیز آپؑ نے اپنی تعلیم وتربیت کے ذریعے اپنے صحابہ میں پیدا کر کے ہم آہنگی و توافق، ان کا مزاج بنا دیا۔ صحابہ کرام نبیؐ کی طرح خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلاتے۔ اور اللہ تعالیٰ اس تربیت کے نتائج پر راضی ہو کر یوں فرماتے ہیں۔ یو ثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصة(۴۲) اور آپؑ نے صحابہؓ میں جذبہ (Spirit) پیدا کیا۔ وہ سراپا قربانی وایثار بنے رہے۔

مدینہ منورہ میں انصارؓ کی دولت اور معاشی ذرائع کھجوروں کے باغات تھے یا زراعتی کھیت تھے۔ انہوں نے نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ ان کے یہ باغات ان کے مہاجرینؓ بھائیوں میں تقسیم کر دیں۔ مگر نبی کریمؐ یہ تجویز قبول نہ فرمائی۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مہاجرینؓ تجارت پیشہ تھے وہ کھیتی باڑی کے فن سے آشنا نہیں تھے۔ انصارؓ نے ایثار کا ایک اور قدم بڑھایا اور یہ تجویز پیش کی کہ وہ خود ہی باغات میں کام کریں گے مگر آدھی پیداوار اپنے مہاجرینؓ بھائیوں کو دیتے رہیں گے۔ آپؑ نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ (۴۳) تاکہ ایثار اور خدمت کا جذبہ ایک توازن کے ساتھ قائم رہے۔ خدمت خلق اور اللہ کی رضا جوئی صحابہ کی زندگی کا مقصد بن گئی ہر مظلوم کو ان سے ایک آس اور امید پیدا ہوگئی کہ ان پاکیزہ نفوس کے ہوتے ہوئے کوئی ہمارا ظالمانہ استحصال نہیں کر سکے گا اور صحابہ کرام نے اسلام کے عادلانہ مزاج کے مطابق ایک اجتماعی عدل کا ماحول بنا دیا۔

آپؑ کے اسوۂ کے اس پہلو کی اہل وطن کو زیادہ احتیاج ہونی چاہئے کہ ہمارے معاشرے میں منافقت بڑھتی جا رہی ہے ایک دوسرے کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے امداد باہمی اور امور خیر میں شرکت وتعاون مفقود ہوتے چلے جا رہے ہیں غریب کی غربت میں کوئی اس کا پرسان حال نہیں اور ''مالی فرقہ واریت'' نے انسان کو تقسیم در تقسیم کر کے رکھ دیا ہے اور دوسری طرف ہم اس طرح شعور وادراک سے عاری ہوئے کہ چند فنون اور ذرائع کو ہم علمِ صحیح سمجھے بیٹھے، نقائص ومعائب کے باوجود انہیں دور کرنے کی کوئی جامع سعی وکوشش دکھائی نہیں دے رہی۔ ایسے میں اگر ہم اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی سے مستفید ہوں تو بے عملی، بے حسی اور عدم تربیت کے اس تضاد کو دور کیا جاسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی تعلیم وتعمیر سیرت کر کے ان نتائج کو حاصل کیا جانا ممکن ہے۔ ان نتائج کو حاصل کرنے کے لیے ہم نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کی طرف رجوع کریں بصورت دیگر ہم کبھی عروج کی منازل سے آشنا نہیں ہو سکتے اور اخلاق وکردار کے اس بحران کو روک لگانے اور انفرادی واجتماعی، اخلاقی ومعاشرتی زوال سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ ہے اسوۂ پیمبر سے کامل رہنمائی۔ ہماری اس قومی تعلیمی پسماندگی پر ایک ماہر تعلیم

لکھتے ہیں:

مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے سچی اسلامی زندگی گذارنی ترک کر دی تھی جس کے نتیجے میں وہ اسلامی کردار سے محروم ہو گئے، انتشار اور تشتت کا شکار وہ گئے۔انہوں نے محنت اور ایثار سے کام لینا چھوڑ دیا تو منصوبہ بندی، حمیت اور شجاعت ان سے روٹھ گئی، انہوں نے اجتہاد اور جہاد سے منہ موڑلیا تو دوسروں کے نقال اور غلام بن کر رہ گئے۔پھر اگر وہ زوال کے گڑھے میں نہ گرتے تو اور کیا کرتے؟ اب اگر وہ سنبھلنا چاہتے ہیں، اپنی کھوئی ہوئی عظمت بحال کرنا چاہتے ہیں تو اس کی اصولی اور بنیادی حکمت عملی وہی قرآن کی تعلیم فرمودہ حکمت عملی ہے یعنی تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ، دوسرے لفظوں میں تعلیم وتربیت یا تعلم، تحقیق اور تربیت۔جب تک ہم ایسے افراد تیار نہیں کرتے جو اپنے نظریۂ حیات سے وابستگی کی بنیاد پر اعلیٰ سیرت وکردار کے مالک ہوں اور جو اپنے نظریۂ حیات کو بنیاد بناتے ہوئے علمی وفکری انقلاب برپا کریں اس وقت تک ہم عروج ترقی کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔(۴۴)

دوسری جانب المیہ یہ ہے کہ ہماری نسل نو کی تعلیم وتربیت کا کوئی منضبط ومرتب نظام موجود نہیں۔"برکت" کیلئے کچھ آیات واحادیث اور کچھ دینی ابحاث کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔حُبِ مصطفویؐ کے پاکیزہ احساس کے ساتھ اگر آپؐ کے تعلیمی وتربیتی نہج کو اپنایا جائے تو کچھ ہی عرصہ میں کردار کے بحران پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ضرورت ہے کہ اس پاکیزہ تعلیم وتربیت کی روشنی میں قومی تعلیمی پالیسی بنائی جائے اور اس مقصد کے حصول کیلئے باکردار اساتذہ کا چناؤ ہو جو معلم اعظمؐ ومربیِؐ بے نظیر کے اسوہ کو عملاً اپنائے ہوئے اور نظراً سمجھے ہوئے ہوں۔ایسے اساتذہ پوری نسل اور پھر پوری قوم کو بدل سکتے ہیں۔تعلیم وتربیت کی یہ ہم آہنگی ایک فکری وتعلیمی اور عملی انقلاب کی بنیاد بن سکتی ہے اور مستقبل قریب میں مملکت پاکستان، دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز کرسکتی ہے۔ان شاء اللہ

صدر اول سے مسلمانوں کے دور عروج کے آخر تک دین دنیا کی کوئی تعلیمی دوئی اور تقسیم ہمیں نظر نہیں آتی۔ ایک ہی فرد دینی اور دنیوی امور کو نبھاتا نظر آتا ہے البتہ تخصصات (Specialization) کا باب علم ہمیشہ وا رہا ہے اور ہر شعبے کے اساطین علم اسی نظام سے پیدا ہوتے رہے ہیں۔یہ تو عالمی استعماری اور استحصالی قوتوں نے ہماری تعلیم کے نظام کو تقسیم کر کے اصلاً امت محمدیہ کو تقسیم کر دیا ہے اور دنیاوی تعلیم کے حامل طبقے کو اسوہ محمدی کی پاکیزہ رہنمائی سے محروم کر کے رکھ دیا ہے۔

یوسف القرضاوی اس تقسیم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دینی تعلیم کو اولیت تو حاصل ہے ہی لیکن

دنیوی تعلیم سے اغماض برتنے کے سبب ہم صف اقوام میں پیچھے چلے گئے ہیں:

''اگر ہم علم سے مراد آج کے دور میں رائج اس مادی علم کو ہی لیں جو تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر قائم ہے تب بھی اس علم کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ سو لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور بے شبہ علم مادی بھی مطلوب ہے، اگر چہ اس کی حیثیت خود مقصد کی نہیں بلکہ وسیلہ و ذریعہ کی ہے۔ کیونکہ مادی علم انسان کی زندگی میں مددگار ہے، اس کے راستے آسان کرتا ہے اور زمان و مکان کے فاصلے کم کرتا ہے۔ دور کو نزدیک اور سخت کو آسان بناتا ہے۔ لیکن تنہا یہی علم انسان کو خوش بخت نہیں بنا سکتا نہ تنہا انسانی قافلے کو منضبط کر سکتا ہے اور اس کی انا پرستی اور نفسانی میلانات کی روک تھام کر سکتا ہے۔ اس لیے انسان کو دینی علم کی انتہائی ضرورت ہے جو ایمان کو پروان چڑھاتا ہے، ضمیر کو زندہ کرتا ہے اور بلند عادتیں پیدا کرتا ہے، نفس کے بخل و تحفظات سے بچاتا ہے۔ عقل پر حیوانی جذبات کو اور ضمیر کی آواز پر خواہش نفس کو غالب آنے سے روکتا ہے اور پھر یہی دینی علم مادی علم کو بھی انحراف، جارحیت، سرکشی اور تباہی و بربادی کے لیے استعمال ہونے سے بچاتا ہے، قرآن کریم نے اس سلسلے میں حضرت سلیمان کی مثال دی ہے جنہیں ایسی بادشاہت دی تھی جو پھر کسی اور کو نہیں دی گئی۔ پلک جھپکنے سے بھی پہلے یمن کی ملکہ بلقیس کا تخت ان کی راجدھانی شام میں پہنچا دیا گیا تھا اور کسی غرور سرکشی میں مبتلا نہیں ہوئے کیوں کہ ان کے پاس کتاب کا علم تھا''۔(۴۴)

اس لیے ہمیں دینی اور دنیاوی علوم کے درمیان ایسی ہم آہنگی قائم کرنی ہے جو ہمیں ہر غرور اور تکبر کے ہر زاویے سے بچا دے اور یہ نعمت کبریٰ سوائے صاحب قرآن کی پاکیزہ سیرت کے کہیں اور نہیں مل سکتی۔

معلم اعظم ﷺ کی تحریک علم اصلاً تعلیم و تربیت میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھا تا کہ معاشرے سے منافقت کے آثار ختم ہوں، تعمیر کردار ہو، اخلاق و معاشرت میں حسن آئے، معاملات میں صفائی پیدا ہو، قربانی و ایثار لفظوں سے نکل کر عمل کے سانچوں میں ڈھل جائیں۔ اور انفرادی و اجتماعی اصلاح کا معیار کامل حاصل ہو جائے تا کہ انسان ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة کا مصداق بن جائے۔ آپ کی اس جامع تعلیم کا نتیجہ دیکھنا ہو تو قرآن دیکھیے کہ اس کی کیا گواہی دیتا ہے۔ اصحاب محمد کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی گئی وہ اشدآء علی الکفار ورحماء بینھم کی تصویر بن گئے۔ قربانی و ایثار میں وہ یؤثرون علی انفسھم کا سراپا ہیں۔ یہ اصحاب محمد کی زندگیوں کے وہ نتائج ہیں جو تعلیم و تربیت کی ہم آہنگی کی بدولت پیدا ہوئے اور صحابہ کرام کی سیرت کردار مثالی بن گئے اور ایک دنیا ہے جو صدیوں سے اب تک صحابہ کرامؓ کے ان نقوش پا سے رہنمائی کے خدوخال حاصل کرتی رہی ہے اور کرتی رہے

گی۔ کیونکہ یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں جنھوں نے معلم انسانیت کی تعلیم تربیت کو اپنے قلب اور جسم کا وظیفہ بنالیا تھا اور آپ کی حیات طیبہ کے ہر ہر گوشے کے امین اور عامل بن گئے تھے۔ تعلیم اور تعمیر سیرت کا یہ ایک سنہرا نمونہ تھے کہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ نبیؐ کی تربیت یافتہ ہستیاں اس سیرت و کردار کی حامل ہوا کرتی ہیں۔

ایک صحابی رسول کی جامع گواہی:

آپ ﷺ کی سیرت تب بھی اب بھی اور قیامت تک دنیا کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ ''تائید مزید'' کے درجے میں آپ کے اسوہ پر ایک صحابی رسولؓ کی گواہی بڑے لطیف انداز کی ہے کہ وہ کس طرح پہلے آپ کے خصائص اور اعلیٰ اخلاق بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ سیرت و کردار صفحہ ارض پر کہاں میسر آسکتا ہے اس لیے ان کے نبی صادق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور ان پر ایمان لانا ہماری خوش قسمتی اور دارین میں کامیابی کا باعث ہے وہ فرماتے ہیں:

> ان نبی ﷺ امی کے متعلق جو مجھے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ وہ کسی کام کے کرنے کا تب تک حکم صادر نہیں فرماتے جب تک خود اس پر عمل نہ کرلیں اور کسی بظاہر غلط کام سے منع نہیں کرتے جب تک خود اسے نہ چھوڑ دیں اور جب آپ غالب آتے ہیں تو کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے اور کبھی مغلوب ہو جائیں تو غیر شائستہ و نازیبا باتوں کا ان کے متعلق تصور نہیں کیا جاسکتا۔ عہد اور ایفاء عہد کی تلقین فرماتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی برحق ہیں۔ (۴۵)

حقیقت یہ ہے کہ معلم و مزکیٔ اعظم ﷺ کی سیرت و کردار اس سے بھی بڑھ کر تھا، جو کہا وہ کرکے دکھایا۔ اسی کی تعلیم دی اور اپنی ذات کو ہمیشہ بطور نمونہ، انسانیت کے سامنے پیش کیا لیکن ـــ آج ہمارے ہاں ایک بالکل متضاد کیفیت ہے۔ قول و فعل کی اس عدم ہم آہنگی نے معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ تعلیماتِ نبوی کے یہ پہلو اگر ارباب تعلیم و تربیت کے لیے نشانِ راہ بن جائیں تو اس اجتماعی سفر زوال کو اب بھی رد کیا جاسکتا ہے۔ زینہ ترقی و کامیابی کی معراج تک افراد اور اقوام دونوں پہنچ سکتے ہیں۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے کردار و عمل کی کوئی گواہی دینے والا نہیں ''یحسرۃ علی العباد''

لمحۂ موجود میں ترقی و تنزل کے پیمانے خواہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں، یہ حقیقت ہے کہ جب تک نسل نو کی تربیت اور تعلیم کی بنیادوں میں سنت رسولؐ سے اخذ فیض نہیں کیا جائے گا تب تک تعمیر شخصیت کا مرحلہ طے نہ ہو سکے گا۔ جب آپؐ کے طریقہ تعلیم اور منہج تزکیہ کو نژادِ نو کی سوچوں میں منتقل کر دیا جائے گا تو پھر ہمارا مستقبل نیر تاباں کی طرح ہوگا اور ہمارے کردار کی گواہی ایک زمانہ دے گا۔ بدعنوانی، کاہلی، بے مقصدیت، نظریہ حیات سے بیگانگی

اور معاشرتی واخلاقی کمزوریوں کے امراض کی دوا اس طبیب اعظم ﷺ کے پاکیزہ اسوہ سے ہی مل سکتی ہے کہ جہاں پر افراد اور اقوام دونوں نے یکساں شفاء پائی ہے۔

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی　　　وہی دیرینہ بیماری ، وہی نامحکمی دل کی

اور فکر وعمل کی یہ پاکیزگی جب تعلیم وتربیت میں ڈھل جاتی ہے تو ایسی قوم کی اخلاقی ودنیوی ترقی کا راستہ کسی طور روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور وہ عروج کی منزلوں سے آشنا ہو کر رہتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) البقرہ:۲، آیت:۱۵۹، آل عمران:۳، آیت:۱۶۴، الجمعہ:۶۲، آیت:۲۔

(۲) خطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، المکتبۃ الاسلامی، دمشق ۱۹۶۱، ابواب العلم۔

(۳) فیروز آبادی، القاموس المحیط (مادۂ ع، ل، م)، دار احیا التراث العربی، بیروت ۱۳۹۱۔

(۴) محمد یٰسین، شیخ، مبادئ تعلیم، غضنفر اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۹، ص:۱۳۔

(۵) سعد بن عبداللہ، اصول التربیۃ الاسلامیہ، دار القلم بیروت ۱۴۰۲ھ، ص:۱۹۔

(۶) مبادئ تعلیم، غضنفر اکیڈمی، کراچی ۱۹۹۹، ص:۱۳۔

(۷) بٹ، اے۔ ڈی۔، ہمارا نظام تعلیم، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۲۰۰۵، ص:۱۰-۱۱۔

(۸) مظفر حسن ملک، ڈاکٹر، تعلیمی عمرانیات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۹۰، ص:۳۲، ۳۱۔

(۹) فرخندہ جبیں، فلسفہ وتاریخ تعلیم، گلوب پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۰، ص،۳۸، نظام تعلیم کے خصائص اور تجزیاتی تاریخ کے لیے دیکھیے ڈاکٹر محمد امین: ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، کتاب سرائے لاہور، ۲۰۰۵۔

(۱۰) قرطبی، محمد بن احمد مالکی، الجامع الاحکام القرآن، دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ، ج:۴، ص:۲۲۱۔

(۱۱) القرضاوی، یوسف، علامہ، تعلیم کی اہمیت سنت نبویؐ کی روشنی میں (مترجم اردو) اسلام بک ڈپو لاہور ۱۹۹۸، ص:۱۴۔۱۵۔

(۱۲) محمد سلیم، سید، پروفیسر، اسلام کا تصور تعلیم، افکار، ماہنامہ تعمیر افکار (کراچی)، جلد نمبر ۷، شمارہ ۱۰، جولائی، ۲۰۰۸، ص، ۱۱، ۱۲۔

(۱۳) الروم، ۳۰: آیت ۴۱۔

(۱۴) التوبہ۹: آیت ۱۰۰۔

(۱۵) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الدعا۔

(۱۶) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم۔

(۱۷) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارالفکر، بیروت، ۱۹۸۱، کتاب العلم۔

(۱۸) النساء:۴، آیت:۱۱۳۔

(۱۹) ترمذی، سنن، کتاب العلم، باب ما جاء فضل الفقہ۔ نیز دیکھیے بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم۔

آپؐ نے فرمایا: ''جوشخص طلب علم کیلئے سفر اختیار کرے اللہ پاک اس کو بہشت کے راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے (دین کے) طالب علم کی رضا مندی کیلئے اپنے پروں کا سایہ اس پر ڈالتے ہیں اور عالم کیلئے وہ ہر چیز جو آسمانوں کے اندر ہے (فرشتے) اور جو زمین پر ہے (انسان، حیوان، جن) استغفار کرتی ہے اور مچھلیاں بھی پانی کے اندر مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ چودھویں کا چاند ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔ اور عالم پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہیں اور انبیاء کا ورثہ دینار اور درہم نہیں ہے بلکہ ان کا ورثہ علم ہے جس کا وارث (انہوں نے) عالم کو بنایا ہے۔ تو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا۔''

(۲۰) اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن، فاران اکیڈمی، لاہور، ج:۱،ص:۳۴۲-۳۴۱۔

(۲۱) مبارک پوری، اطہر، قاضی، مولانا، خیرالقرون کی درس گاہیں وران کا نظام تعلیم وتربیت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۲۰۰۰ء، صفحہ:۲۳۔

(۲۲) ابن حنبل، امام احمد، المسند، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ ج:۱۲،ص:۲۲۴۔

(۲۳) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، السنن، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۲، کتاب الطھارۃ، باب الاستنجاء۔

(۲۴) اصلاحی، مولانا امین احسن، تدبر قرآن، فاران اکیڈمی، لاہور، ج:۱،ص:۳۴۲-۳۴۱۔

(۲۵) عثمانی، شبیر احمد، علامہ، تفسیری حاشیہ، تاج کمپنی لاہور، ۱۹۹۸، حاشیہ البقرہ:۲، آیت:۱۵۱۔

(۲۶) دریا آبادی، مولانا عبدالماجد، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لاہور ۲۰۰۳، حاشیہ البقرہ:۲، آیت:۱۵۱۔

(۲۷) النجم:۵۳، آیت:۳-۴۔

(۲۸) مزید فضائل علم کیلئے دیکھئے:

(الف) ابن ماجہ، ''مقدمۃ'' باب من سل عن علم، ۱/ ۹۷؛ ابن ماجہ، ''مقدمۃ'' باب فضل العلماء، ۱/ ۸۳؛ ابن ماجہ، ''مقدمۃ'' باب فضل العلماء

(ب) ترمذی، کتاب البر، ماجاء فی رحمۃ الصبیان، ۴/ ۳۲۲؛ ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ، ۵/ ۵۰؛

حضرت ابوبکر تلاوت کرتے اور نماز ادا فرماتے تھے۔ اہل مکہ آپ کی تلاوت کا اثر اپنے دل پر محسوس کرتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے "آپ کی دعوتی طبیعت کو گوارا نہ تھا کہ نماز وتلاوت گھر کے اندر کریں، اس کا ثمر یہ تھا کہ کئی مشرکین قرآن کی اثر آفرینی کے اسیر ہوگئے۔ پھر حضرت ابوبکر نے اپنی رہائش گاہ کے باہر صحن میں ایک مسجد بنائی۔ آپ اس میں نماز اور قرآن پڑھتے تھے۔"

(ج) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الکفالۃ، باب جور ابی بکر الصدیق فی عہد رسول اللہ ﷺ۔

(۲۹) آپ ﷺ کی تعلیمی وتربیتی توجہات سے خواتین بھی مستفید ہوتی تھیں۔ آپ اپنے اصحاب کو یہ ذمہ داری دیتے کہ آپ فلاں جگہ فلاں گھر میں تعلیمی وتربیتی حلقہ قائم کریں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب حضرت عمر تلوار لئے اپنی بہن کے گھر گئے تو اپنی ہمشیرہ و بہنوئی سعید بن زید کو قرآن پڑھتے پایا اور ان دونوں کے پاس خباب بن ارث تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورہ طٰہٰ تھی اور وہ ان دونوں میاں بیوی کو پڑھا رہے تھے۔ یعنی بیت فاطمہ بنت خطاب ایک درسگاہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ دوسرے لوگ بھی یہاں آ کر تعلیم دیتے تھے۔"

ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵، ج:۱، ص:۳۴۵۔

(۳۰) درسگاہوں کے علاوہ بھی متعدد محلوں میں چھوٹے چھوٹے تعلیمی حلقے قائم کئے گئے تھے۔ بحوالہ، خیر القرون کی درسگاہیں، ص:۴۰،۴۱۔

(۳۱) السمہودی، نور الدین علی بن احمد علامہ، وفا الوفا، اخبار المصطفیٰ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ ج:۲، ص:۸۵۔

(۳۲) تفصیل کے لیے دیکھیے:

(الف) بخاری، الجامع الصحیح، باب: امامۃ العبد والمولیٰ۔ بخاری، باب، مقدم النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ۔ بخاری، باب، مقدم النبیؐ۔

(ب) سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۳۴۴۔

(ج) وفاء الوفا، اخبار المصطفیٰ، ج:۲، س:۸۵۔

(د) محمد بن سعد، طبقات، ج:۳، ص:۳۰۔

(۳۳) بحوالہ خیر القرون کی درس گاہیں ۴۰۔۴۱

(۳۴) حوالہ سابق، ص:۴۰۔

(۳۵) بخاری، الجامع السحیح، کتاب العلم، باب ھل یجعل للنساء علی عدۃ۔

(۳۶) الکتانی، عبدالحی، نظام الحکومۃ النبویۃ، التراتیب الاداریہ، احیاء التراث الاسلامی، بیروت ج.۱، ص:۳۴۰۔

(۳۷) ابن عبدالبر القرطبی، جامع بیان العلم وفضلہ، المکتبۃ العلمیہ مدینہ منورہ، ج:۱، ص:۳۲۔

(۳۸) بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب هل یجعل للنسا یوم علی حدة۔

(۳۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی سندھ ساگر اکیڈمی کراچی ۱۹۹۲، ص:۲۱۵-۲۱۶۔

(۴۰) احمد شلبی، ڈاکٹر، تاریخ تعلیم و تربیت اسلامی، ص:۷۵۔ نیز دیکھیے، عبدالفتاح ابوغدہ، حضور اکرم ﷺ بطور معلم (مترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن) درخواستی کتب خانہ، کراچی، صفحہ:۳۹۔

(۴۱) البقرۃ:۲، آیت:۱۳۷۔

(۴۲) الحشر:۵۹، آیت:۹۔

(۴۳) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، مکتبۃ المطبوعات، حلب، سوریا، ۱۴۰۶، کتاب الایمان۔

(۴۴) ڈاکٹر محمد امین، ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل، ص:۳۲۸۔

(۴۵) القرضاوی یوسف، علامہ، تعلیم کی اہمیت سنت نبویؐ کی روشنی میں (مترجم اردو) اسلام بک ڈپو لاہور ۱۹۹۸، ص:۱۴-۱۵۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆